فقہ واجتہاد

شیخ سلمان بن فہد العودۃ
مترجم: محمد اسلم صدیق

اجتہاد کا حق دار کون؟

اُردو ترجمہ کتابچہ "من يّملك حق الاجتهاد ؟"

عصر حاضر میں متعدد اسباب ہیں جو اس موضوع پر قلم اُٹھانے کا تقاضا کررہے ہیں:

① نااہل لوگوں نے علم و قابلیت کے بغیر شریعتِ خداوندی کے اُصول وفروع سے مسائل کے استنباط کی جسارت شروع کردی ہے۔ ان کی اکثریت نے حدیث کے باریک اور بڑے بڑے مسائل میں کرید اور تعمق شروع کردیا ہے۔

② اکثر لوگوں کے ہاں یہ امتیاز ختم ہوگیا ہے کہ جس شخص سے وہ تحصیل علم کررہے ہیں، آیا وہ اس لائق ہے بھی یا نہیں کہ شرعیات کے سلسلے میں اس سے اخذِ علم کیا جائے اور اسے قابل توجہ ٹھہرایا جائے۔ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہ ہم شریعت کے بارے میں گفتگو کرنے والے ہر کہ و مہ کی بات نہایت توجہ اور اہتمام سے سنتے ہیں اور اسے بحث و مباحثہ کا موضوع بنانا ضروری سمجھتے ہیں، لیکن دنیاوی معاملات میں ہم صرف اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں جو واقعی اس معاملہ کا ماہر ہے۔

جب کسی کا کوئی عزیز مریض ہو تو وہ قطعاً پرچون فروش کے پاس علاج کا نسخہ دریافت کرنے نہیں جائے گا، کیونکہ اسے خوب معلوم ہے کہ مریضوں کا علاج کہاں کیا جانا ہے۔ ایسے ہی کوئی آدمی اگر اپنے مکان کی تعمیر کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ کسی درزی کے پاس جائے گا ؟ قطعاً نہیں بلکہ وہ اپنا کام اس شخص کے سپرد کرے گا جو فن تعمیر کا ماہر اور اس کام کو بخوبی اور بطریق احسن انجام دینے کی اہلیت رکھتا ہے ۔ افسوس! کہ لوگ دنیاوی معاملات کا تو اس قدر اہتمام کرتے ہیں۔ لیکن اگر دینی مسئلہ ہو تو ہر کسی سے سننے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ اگر میں یہ کہوں تو خلافِ حقیقت نہ ہوگا کہ آج کوئی بھی شخص دین کے مسائل کے متعلق گفتگو کرنے بیٹھ جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو وہ بہت سارے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ اور ہمہ تن گوش پائے گا۔ اس کی کچھ وجوہات ہیں :

پہلی یہ کہ اسلام آج پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بن گیا ہے۔ اسلام قبول کرنے کا رجحان دنیا بھر میں روز افزوں ہے اور ہر کوئی اسلام کے بارے میں جاننے کا خواہش مند ہے۔ کیمونزم اپنی موت مر چکا ہے اور روس میں بھی اسے پناہ نہیں ملی۔ دوسری طرف مغربی تہذیب نوعِ انسانیت کو سکون واطمینان دینے سے محروم رہی ہے۔ لوگ فطری تقاضوں سے مجبور ہو کر مذہب کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور ایسے حالات میں اسلام کی شاندار تاریخ اور احکامات کا آسان اور منطقی اُسلوب ان کی دلچسپیوں کا محور ومرکز بن رہا ہے۔

جب ہم اس حقیقت کو جان لیں گے کہ لوگوں کی اکثریت اسلام کی بات کرتی ہے اور ان لوگوں سے محبت کا اظہار کرتی ہے کہ اسلام ان کی توجہ کا مرکز اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ان کی جستجو کا محور ہے تو یقیناً ہمیں اس سنگین صورتِ حال کے ادراک میں کوئی مشکل نہیں ہوگی جس سے یہ اُمت دوچار ہوا چاہتی ہے۔ صورتحال کی اس سے بڑی سنگینی کیا ہوسکتی ہے کہ آپ کے اندر یہ صلاحیت نہیں کہ آپ یہ فرق کرسکیں کہ کس سے اخذِ علم کرنا ہے، کس سے نہیں اور کون شخص اس لائق ہے جس سے مسائل شرعیہ کے متعلق گفتگو کی جاسکے اور کون وہ شخص ہے جس کے لئے خاموش رہنا ہی ضروری ہے؟

فتویٰ دینے اور شرعی مسائل کی وضاحت کرنے کی اہمیت

یہ امر کسی وضاحت کا محتاج نہیں کہ شرعی مسائل میں کلام کرنا کس قدر اہم معاملہ ہے، کیونکہ ایک مفتی اور محقق اپنی رائے اور ذاتی نقطہ نظر کو پیش نہیں کرتا اور نہ ہی اس سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے مزاج اور خواہش کے مطابق فتویٰ دے۔ اس سے فقط یہ پوچھا جاتا ہے کہ فلاں مسئلہ یا واقعہ کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ کیا ہے؟

اسی لئے امام قرافیؒ جو مالکی فقہا اور اُصولیین میں سے ہیں، مفتی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"ایک مفتی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ترجمان ہوتا ہے، کیونکہ وہ نص شرعی کی تشریح وتوضیح کررہا ہے اور نص شرعی کا مرجع اللہ کی ذات ہے۔"

© rasailojaraid.com

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی مشہور تصنیف کا نام **أعلام الموقعین عن رب العالمین** بھی اس لئے رکھا کہ یہ امر واضح کر دیا جائے کہ شرعی مسائل میں فتویٰ دینے والا گویا اللہ کا ترجمان ہے۔ وہ ربّ کا نائب بن کر شرعی مسئلہ پر دستخط کرتا ہے۔ مفتی کی مثال اس وزیر کی سی ہے جسے ایک حاکم یا بادشاہ اپنا قلم دان سونپ دیتا ہے۔ اس طرح مفتی بھی اللہ کے قلم دان کا وارث ہے اور جس مسئلہ کے بارے میں سمجھتا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ ہے، اس کا اظہار کر دیتا ہے۔ امام ابن قیمؒ اپنی مذکورہ کتاب میں فرماتے ہیں:

''جب بادشاہ کے سیکرٹری کا عہدہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے، جس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں اور یہ نہایت قابل رشک عہدوں میں سے ایک عہدہ ہے۔ پھر تم خود ہی اندازہ کرو کہ مالک ارض وسماوات کے قلم دان کی وزارت کا عہدہ کس قدر اہمیت کا حامل ہوگا؟ (الاحکام:۲۹)

''چونکہ ایک مفتی اللہ تعالیٰ کی وزارت وقلمدان پر فائز ہوتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ منصبِ افتا نہایت عظیم منصب ہے۔ لیکن یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ منصب جہاں ایک بہت بڑا شرف ہے، وہاں یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود قرآن میں اکثر مواقع پر عہدۂ افتا کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ......﴾ (النساء:۱۷۶) ''وہ تجھ سے فتویٰ پوچھتے ہیں کہہ دیجئے، اللہ فتویٰ دیتا ہے تم کو......'' (اعلام الموقعین:۱/۱۰)

یہاں اللہ نے خود فتویٰ دیا ہے اور افتا کو اپنی ذاتِ مقدسہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

افتا کی ذمہ داری اس قدر بڑی ہے کہ سلف صالحین فتویٰ میں حد درجہ گریز کرتے تھے اور ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ فتویٰ کی ذمہ داری کوئی دوسرا قبول کرلے۔ اس کے متعلق امام دارمیؒ نے اپنی سنن میں جو کچھ ذکر کیا ہے، وہ اس موضوع کا ایک باب ہے، وگرنہ تو اس موضوع پر مکمل جلد بن سکتی ہے کہ سلف صالحین فتویٰ دینے میں کس قدر پرہیز کرتے تھے۔

امام دارمیؒ نے اس ضمن میں باب من هاب الفتيا کے تحت بے شمار نصوص ذکر کی ہیں۔ میں صرف دو روایات پر اکتفا کروں گا:

① ثقہ اور مشہور تابعی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ کا کہنا ہے:

''میں نے ایک سو بیس صحابہؓ کو دیکھا، جب ان سے کوئی حدیث یا فتویٰ پوچھا جاتا تو ان میں

© rasailojaraid.com

سے ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی کہ حدیث یا فتویٰ کی ذمہ داری اس کا کوئی دوسرا بھائی قبول کرلے۔'' (سنن دارمی: ۱/۴۹)

غور فرمائیے کہ ایک سو بیس ممتاز اور کبار صحابہ کرامؓ ہیں اور ہیں بھی بڑی عمر کے اور پھر علم کے بحر ذخار، لیکن فتویٰ دینے سے گریز کا یہ عالم کہ ہر ایک یہ آرزو کرتا ہے کہ کاش کوئی دوسرا اس ذمہ درای کو اُٹھا لے۔

۲ امام دارمیؒ فرماتے ہیں کہ

''امام شعبیؒ سے پوچھا گیا کہ جب تم لوگوں سے کوئی سوال کیا جاتا ہے تو تمہارا طریقہ کار کیا ہوتا ہے؟ تو کہا: تو نے ایک باخبر شخص سے سوال کیا ہے، لہٰذا سن، پھر فرمایا کہ جب ہم میں سے کسی سے کوئی سوال کیا جاتا تو وہ خود فتویٰ دینے کی بجائے اپنے ساتھی سے کہتا آپ فتویٰ دیں۔علیٰ ہذا القیاس وہ اسی طرح پوچھتا پچھاتا پہلے کے پاس لوٹ آتا۔'' (ایضاً)

یہ غایت درجہ احتیاط کیوں تھی؟ اس لئے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ بغیر علم کے فتویٰ دینا اور اللہ تعالیٰ کے متعلق زبان کھولنا کتنا بڑا گناہ اور کتنا سنگین جرم ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے جا بجا اس جرم کی سنگینی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''اللہ پر کوئی بات بنا لینا اور فتووں اور فیصلوں میں بغیر علم کے زبان کھولنا یہ تمام حرام کاموں سے بڑھ کر حرام ہے۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوْا بِاللهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّأَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللهِ مَالاَ تَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف:۳۳)

''اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو، میرے پروردگار نے جو چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں، وہ تو یہ ہیں: بے حیائی اور بے شرمی کے کام، خواہ کھلے طور پر ہوں یا خفیہ۔نیز گناہ کی باتیں، ناحق کی زیادتی اور یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی سند نہیں اُتاری اور یہ کہ اللہ کے نام کوئی سے ایسی بات کہو جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہیں۔'' (اعلام الموقعین: ۱/۱۰)

یہاں اللہ تعالیٰ نے پانچ حرام کاموں کا ذکر کیا ہے، جن کی حرمت پر تمام شرائع سماویہ متفق ہیں اور ان پانچوں کو سنگینی حرمت کے اعتبار سے بالترتیب سے ذکر کیا ہے اور سب سے آخر میں اس کو ذکر کیا جو سب سے بڑھ کر حرام ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کرنا

© rasailojaraid.com

جس کا علم نہ ہو، گویا شریعت میں بغیر علم کے بات کرنا اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے!

ایسے اُمور جو علم کے بغیر اللہ پر جھوٹ باندھنے کا مصداق ہیں!

اللہ کے متعلق علم کے بغیر بات کرنے کی حرمت میں درج ذیل اُمور شامل ہیں:

① **اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اسماء اور افعال کے متعلق بغیر علم کے گفتگو کرنا:** جس طرح کہ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت، ربوبیت، اسماء وصفات اور مابعد الطبیعات اُمور مثلاً آخرت جنت، دوزخ اور پل صراط کے متعلق بغیر علم اور بغیر کسی دلیل کے عجیب وغریب موشگافیاں کرتے ہیں۔ ایسا کرنا بلاشبہ حرام ہے اور یاد رہے کہ مابعد الطبعیات مسائل میں عقل کو دلیل اور بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔ عقل انسانی خواہ جتنی بھی وسیع ہو، جب وہ دائرۂ نبوت سے بے نیاز ہو کر عالم غیب کے حقائق کی نقاب کشائیوں کے لئے نکلے گی تو نتیجہ یہی ہوگا کہ وہ شکوک وشبہات کے صحراؤں میں بھٹکتی پھرے گی۔ کتنے ہی فلاسفہ ہیں جو خود بھی گمراہ ہوئے۔ دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور کتنی ہی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئیں جن سے بہت استفادہ کیا جاسکتا تھا۔ آخر ان بے فائدہ بحثوں اور نکتہ سنجیوں سے کیا حاصل جن سے نہ دنیاوی مسائل کی گتھیاں سلجھائی جاسکتی ہیں اور نہ دین سے متعلق ان سے رہنمائی لی جاسکتی ہے۔

عقل نبوت سے قطعاً بے نیاز نہیں ہوسکتی۔ عقل کا کام بس نص شرعی کو سمجھنا، اس کے معنی کا ادراک کرنا اور اسے حاکم مطلق تسلیم کرتے ہوئے عقل کو اس کے مطابق چلانا ہے۔ لیکن انسانی عقل کو وحی کا مدمقابل اور ہم پلہ قرار دینا انسانی تکبر کی غمازی کرتا ہے اور یہی تکبر ان کے دلوں میں یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی عقل کی بدولت ماوراء الطبعیات اور تعبدی مسائل میں جھانکنے کی طاقت رکھتے ہیں، حالانکہ ماوراء الطبعیات مسائل تو درکنار بسا اوقات عقل دنیاوی مسائل کو سلجھانے میں بھی ناکام ہو جاتی ہے۔

② **تقدیر کے معاملے میں بغیر علم کے بات کرنے کی حرمت:** مستقبل کے اُمور کے بارے میں انسان کا بغیر علم کے گفتگو کرنا بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔ جس طرح کاہن، نجومی اور ہاتھوں کی لکیریں دیکھ کر قسمت شناسی کرنے والے کرتے ہیں اور لوگوں کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر گمراہ کن طریقوں سے ان کا مال بٹورتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

③ بغیر علم کے شرعی مسائل میں کلام کرنے کی حرمت: یعنی حلال وحرام، احکام، واجبات اور محرمات میں اس وقت تک فتویٰ دینا حرام ہے، جب تک کہ اس پر قرآن وسنت کی کوئی نص یا ائمہ فقہا کی آرا دلالت کناں نہ ہوں۔ پھر ہر شخص کو نص شرعی کی تعبیر و وضاحت کرنے کا حق نہیں دیا جاسکتا، بلکہ یہ حق صرف اس کو تفویض کیا جاسکتا ہے جو پختہ عالم ہو اور تمام نصوصِ شرعیہ پر اسکی نظر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر علم کے فتویٰ دینے کی حرمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ﴾ (النحل:١١٦)

''اور (دیکھو) ایسا نہ ہو کہ تمہاری زبانوں پر جو جھوٹی بات آجائے، بے دھڑک نکال دیا کرو اور اپنے جی سے ٹھہرا کر حکم لگا دو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ اس طرح حکم لگانا اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کرنا ہے اور یاد رکھو، جو لوگ اللہ پر افترا پردازیاں کرتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں۔'' اسی طرح فرمایا:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰـئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ (الاسراء:٣٦) ''اور دیکھو جس بات کا تمہیں علم نہیں، اس کے پیچھے نہ پڑو۔ یاد رکھو! کان، آنکھ، عقل، ان سب کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے۔''

اور مشرکین کے بارے میں فرمایا:

﴿وَإِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف:٢٨)

''اور یہ لوگ (مشرکین عرب) جب بے حیائی کی باتیں کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے ایسا ہی کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے۔ اے پیغمبر ﷺ! تم کہہ دو، اللہ کبھی بے حیائی کی باتوں کا حکم نہیں دے گا۔ کیا تم اللہ کے نام پر ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دعویٰ کا انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ پر ایسا بہتان لگا رہے ہیں جسے وہ جانتے تک نہیں۔ ان لوگوں کا وطیرہ یہ تھا کہ جب یہ کوئی کام کرتے اور پھر اُنھیں یہ کام اچھا لگتا تو اسے بار بار کرتے۔ جب اُنہیں منع کیا جاتا تو فوراً کہتے کہ خدا نے ایسا ہی

کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے۔

مذکورہ دلائل یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی بات کرنا علی الاطلاق ایک سنگین جرم اور عظیم گناہ ہے۔ کیونکہ درحقیقت یہی گناہ تمام گناہوں کی جڑ ہے، حتیٰ کہ شرک ایسے ظلم عظیم کا سبب بھی یہی گناہ ہے ۔ اس لئے مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس سنگین جرم کا ارتکاب کرے۔ اب ہم اللہ کے متعلق بغیر علم کے بات کرنے کی وہ صورتیں بیان کرتے ہیں جن میں آج اکثر لوگ ملوث ہوچکے ہیں۔

وہ صورتیں جو علم کے بغیر اللہ پر جھوٹ باندھنے کا مصداق ہیں

① علما سے استغنا

اس دور میں اجتہاد کی ارزانیوں نے ہر جاہل اور زبان و ادب سے نابلد کو اجتہاد و قیاس پر جسور کردیا ہے۔ آج کل جو لوگ اُمورِ شریعت میں غوروخوض اور بحث و تحقیق میں کود پڑے ہیں، ان کی اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اگرچہ زبان کی روانی، عبارت کی شستگی اور اُسلوب کی عمدگی سے بہرہ ور ہے، لیکن شریعت کے صحیح علم سے اُنہیں دور کا بھی واسطہ نہیں۔ وہ فہم وبصیرت اور شرعی علوم پر مکمل دسترس حاصل کئے بغیر اور کتاب و سنت کے دلائل صحیحہ کا سہارا لئے بغیر اُمورِ شریعت میں عجیب وغریب موشگافیاں کررہے ہیں۔

ایسے لوگوں کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اسلام میں عیسائیت کی طرح ملائیت اور تھیا کریسی کا تصور نہیں ہے۔ اس لئے ہر کسی کو دین کے متعلق بات کرنے کا حق حاصل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہاں یہ درست ہے کہ اسلام میں کسی خاص طبقہ کی دین پر اجارہ داری نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو شریعت کے بارے بات کرنے کا حق حاصل نہ ہو، بلکہ ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے، بشرطیکہ اس میں وہ شرائط موجود ہوں جو شرعی اُمور میں بات کرنے کا لازمی تقاضا ہیں۔ یہ راستہ سب کے لئے کھلا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ شریعت کو مباح گھاس سمجھ لیا جائے اور جو مرضی اس پر منہ ماری کرتا پھرے۔ مانا کہ اسلام میں پروہت اور ملائیت کا تصور نہیں لیکن اسلام میں شریعت کی مہارت کا تصور ضرور پایا جاتا ہے۔ کتاب

© rasailojaraid.com

وسنت کی نصوص کو جاننا اوران کے الفاظ کی دلالت اور معانی کو سمجھنا علما کے بغیر ممکن نہیں ہے!!

تعجب کی بات یہ ہے کہ لوگوں کو دنیاوی معاملات میں تو اس حقیقت کا بخوبی ادراک ہے، لیکن دینی معاملات میں اس سے نابلد کیوں ہیں؟ مثال کے طور پر اس دور میں لائبریریاں طبی کتب سے کچھا کھچ بھری ہوئی ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں طبی پمفلٹ، کتابچے اور جرائد دنیا کے کونے کونے میں پھیل چکے ہیں۔ بے شمار ایسے مراکز ہیں جو طبی کتب ورسائل کی طباعت واشاعت کا اہتمام کرتے ہیں۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ طبی تصاویر، رپوٹوں، انڈکس اور اعداد وشمار پر مشتمل یہ بے شمار کتابیں جو آئے دن جدید اور ٹیکنیکل طرز پر ہمارے سامنے آرہی ہیں، کیا لوگوں کو ریسرچ اور ڈاکٹروں سے بے نیاز کر دیں گی؟ کیا ہسپتال اور کلینک اور پریکٹس کے مراکز کھولنے کی ضرورت ختم ہوجائے گی؟ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہوگا اور آپ یہ ماننے پر مجبور ہوں گے کہ اس قسم کے ہسپتال، کلینک اور پریکٹس مراکز کھولنے کی ضرورت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ کاغذ کے یہ اوراق ہماری ضرورت پوری نہیں کرسکتے اور ان اوراق سے ایک سپیشلسٹ ڈاکٹر ہی صحیح معنوں میں استفادہ کرسکتا ہے۔ رہے عامۃ الناس تو وہ اس سے کسی حد تک تو فائدہ حاصل کرسکتے ہیں، لیکن ان میں سے بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو عام معلومات کے ذریعے نسخہ تجویز کرنے اور مریض کا علاج کرنے کے قابل ہوجائیں، پھر بھی ہمیشہ ایسے نہیں ہوتا، لہٰذا ہم میڈیکل اور طبیہ کالجوں، تحقیق اور ریسرچ کے خصوصی طبی مراکز اور اس سلسلے میں جو کاوشیں ہورہی ہیں، ان سے مستغنی نہیں ہوسکتے۔

جب بات اس طرح ہے تو پھر ہم کیسے یہ مان لیں کہ محض قرآن اور کتبِ حدیث میں شرعی نصوص کا پایا جانا ہی عام و خاص سب کو کافی ہوجائے گا اور انہیں علما سے پوچھنے پچھانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور ہم یہ کیسے تسلیم کرلیں کہ ہر مسلمان کسی بھی مسئلہ میں محض اس بنا پر کہ وہ ایک نص سے واقف ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ نص اسی مسئلہ کے متعلق ہے، اسے کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ جیسے چاہے فتویٰ سازی کرتا پھرے اور محض اپنی مرضی یا ہوائے نفس کے تقاضے سے انکشاف وتحقیق کا بازار گرم کردے، حالانکہ اس کے پاس علم وفضل کی اتنی پونجی نہیں

© rasaileJaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جس کی روشنی میں وہ مسئلہ کا صحیح کھوج لگا سکے۔

یہاں ہم اسی قسم کے ایک محقق کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس نے ایک مشہور ومعروف مجلّہ میں ایک طویل مضمون لکھا۔ مضمون کا عنوان تھا:

''صحیح بخاری میں جو کچھ ہے، وہ سب کا سب صحیح نہیں ہے!''

ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کا یہ دعویٰ اس کے قلتِ مطالعہ کا غماز ہے اور اس کے پاس علم کا اتنا سرمایہ نہیں جو اس کے سامنے حقیقت کو واضح کر سکے!!

اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اس نے حضرت عائشہؓ کی وہ روایت پیش کی جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ «كان ﷺ يأمرني فأتـزر فيباشرني وأنا حائض»

''رسول اللہ ﷺ مجھے تہبند باندھنے کا حکم دیتے اور اس کے بعد مجھ سے مباشرت کرتے درآنحالے کہ میں حائضہ ہوتی۔'' (بخاری مع الفتح:۱/۴۰۳)

علم حدیث سے معمولی شناسائی رکھنے والا انسان بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہاں مباشرت سے مراد جماع سے ماسوا باقی جسم سے استمتاع ہے۔ کیونکہ حدیث میں صراحت ہے کہ آپ عائشہؓ کو تہبند باندھنے کا حکم دیتے۔ لیکن مضمون نگار نے 'مباشرت' سے مراد جماع سمجھ لیا اور کہہ دیا کہ بخاری کی یہ حدیث صحیح نہیں، کیونکہ یہ قرآنِ کریم کی اس آیت سے متعارض ہے:

﴿وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوْا النِّسَاءَ فِيْ الْمَحِيْضِ وَلاَ تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ (البقرۃ:۲۲۲)

''پوچھتے ہیں کہ حیض کا کیا حکم ہے؟ کہو وہ ایک گندگی کی حالت ہے۔ اس میں عورتوں کے قریب نہ جاؤ اوران سے الگ رہو جب تک کہ وہ پاک صاف نہ ہوجائیں۔''

چنانچہ جب کوئی شخص اصل مصادر، شروحاتِ حدیث ، ائمہ کے اقوال اور معتمد کتب سے بے نیاز ہوکر مسائل کو جانچنے کی کوشش کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بڑی آسانی سے اس قسم کی فاش غلطیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک غلطیوں کا شکار ہوجائے گا۔

افسوس صد افسوس کہ لوگ احادیثِ نبویہؐ اور فقہی مسائل کو اپنی آرا کا تختۂ مشق بنانے اور احادیثِ نبویہ کو صحیح اور ضعیف قرار دینے، فقہی مسائل کو حلال وحرام ،مستحب ،مکروہ اور مباح

© rasailojaraid.com

قرار دینے سے ذرا باک محسوس نہیں کرتے اور ہوائے نفس کے تقاضوں سے مجبور ہو کر احادیث اور شرعی احکام کی تفسیر کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور ستم یہ کہ کتبِ شروحات یا اس کے بارے میں علما کے اقوال کو ایک نظر دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دومقامات پر یہ تاکید فرمائی ہے، پہلے سورۃ نحل میں اور پھر سورۃ انبیاء میں کہ

﴿ فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل:۴۳)

''(مسلمانو!) اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔''

یہاں اہل ذکر سے مراد علما ہیں اور شریعت ہمیں اس بات کا پابند کرتی ہے کہ کوئی بھی مسئلہ ہو، اس شخص سے پوچھا جائے جو اس بارے میں مستند ہو۔ اگر وہ طبی مسئلہ ہو تو اطبا سے پوچھنا چاہئے۔ اگر مسئلہ لغوی ہے تو کسی ادیب یا شاعر سے پوچھا جائے۔ اگر شریعت کا مسئلہ ہو تو علماءِ شریعت سے پوچھنا چاہئے اور یہی لوگ اہل ذکر ہیں جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے آیت: ﴿فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ﴾ میں کیا ہے۔

جس طرح ایک فقیہ سے طب کا کوئی مسئلہ پوچھنا مناسب نہیں ہے، ایسے ہی کسی ڈاکٹر سے شریعت کا مسئلہ پوچھنا بھی قطعی مناسب نہیں۔ نہ ہی کسی ادیب، شاعر یا صحافی سے شریعت کا کوئی مسئلہ پوچھا جاسکتا ہے۔ یقیناً یہ لوگ ہمارے لئے قابل احترام ہیں۔ یہ حضرات بھی معاشرے کی ترقی اور اس کے اخلاق کی تہذیب اور نوجوان نسل کی تادیب میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں، لیکن یہ لوگ شرعی علوم کے ماہر نہیں، اس لئے ان سے شرعی مسئلہ پوچھنا بے جا ہوگا۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے ان صحابہ پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا جنہوں ایک موقع پر بغیر علم کے فتویٰ دیا تھا۔ وہ طویل حدیث ہے جس کا حاصل قصہ یہ ہے کہ

''ایک صحابی کسی جنگ میں شریک تھا کہ اس کو پتھر لگا اور اس کا سر زخمی ہوگیا۔ اسی دوران وہ جُنبی ہوگیا۔ تو اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ اب وہ کیا کرے؟ ساتھیوں نے اسے غسل کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے غسل کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا زخم بگڑا اور اس کی موت واقع ہوگئی۔ جب نبی ﷺ کو واقعہ کا علم ہوا تو فرمایا: خدا ان کو ہلاک کرے ان لوگوں نے اسے مار ڈالا۔ جب مسئلہ معلوم نہیں تھا تو پوچھ کیوں نہیں لیا، لاعلمی کا علاج دریافت کرلینا ہی تو

© rasailojaraid.com

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

ہے۔" (سنن ابو داود: ۱/۹۳ وغیرہ)

یہاں نبی ﷺ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ وہ عاجز اور جاہل شخص جو سرمایۂ علم سے محروم ہے، اس کے لئے طریقہ کار یہ ہے کہ وہ کسی سے دریافت کرلے۔

❁ اسی طرح حدیث میں ایک ملازم کا قصہ مشہور ہے کہ ایک شخص کسی کے ہاں ملازم تھا۔ اس نے مالک کی بیوی سے زنا کرلیا۔ ملازم کے باپ نے لوگوں سے سوال کیا تو اُنہوں نے کہا: تیرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا۔ اس کے بعد اس نے علما سے سوال کیا تو اُنہوں نے فتویٰ دیا: تیرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اس عورت کو رجم کیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو واقعہ کی اطلاع دی۔ نبی ﷺ نے اس کا اہل علم سے سوال کرنا درست تسلیم کیا اور علما کے اس فتویٰ پر اعتماد کیا، باوجود یکہ زمانۂ نبوت تھا اور رسول ﷺ ان کے درمیان موجود تھے۔ (بخاری مع الفتح: ۱۲/۱۲۱ و مسلم: ۱۶۹۷)

یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ لوگوں کے لئے حلال و حرام کو پہچاننے کا درست طریقہ یہی ہے کہ وہ اہل علم کی طرف رجوع کریں۔

جب ہم اہل علم کی طرف رجوع کرنے کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص صاحبِ علم، مطالعہ کا حامل ہونے کے باوجود جو جواب ملے، اس پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے آنکھیں بند کرلے۔ بلکہ ایسے صاحبِ علم شخص کے لئے ضروری ہے کہ عالم جو فتویٰ دے، اس پر اس سے مناقشہ کرے، اس کے سامنے اس فتویٰ کے مدمقابل دوسرا قول پیش کرے۔ اس سے دلیل کا مطالبہ بھی کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے!!

اس لئے ضروری ہے کہ مسائل شرعیہ کے متعلق بات نہایت ٹھوس اور رطب و یابس سے بالکل پاک ہونی چاہئے۔ ہر شخص کو یہ اختیار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ بغیر کسی قید و شرط کے شتر بے مہار شرعی مسائل کو اپنی انکشاف و تحقیق کا تختۂ مشق بنائے۔ وگرنہ پھر وہی صورت ہوگی کہ ہر شخص شرعی مسائل میں فتویٰ بازی کا بازار گرم دے گا، یہ سوچے بغیر کہ آیا وہ اس منصب کا اہل ہے؟ اس کے پاس علم کی اتنی پونجی ہے جو اسے منصبِ اجتہاد پر فائز کرسکے؟ تو پھر خود ہی بتایئے کہ ملحدانہ اجتہاد کے اشہبِ تیز رو کو کون روک سکے گا اور تشریع جدید اور وضع دین کی

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

قباحتوں کی روک تھام کیونکر ہوسکے گی؟

یہ معمولی کام نہیں کہ ہر شخص اس سے عہدہ برا ہوسکے۔کوئی بھی شخص ماہر علما کرام اور مفتیانِ عظام سے کسی طرح بھی بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ وہ علما جو وسیع مہارت اور طویل تجربہ کے حامل ہیں اور جن کی زندگیاں کتب کی ورق گردانی میں کھپ گئیں اور علم کا کوئی گوشہ ان سے مخفی نہیں ہے۔

② دعویٰ اجتہاد

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے بات کرنے کی دوسری صورت دعویٰ اجتہاد ہے۔ معاملہ صرف شرعی علوم میں بحث ومباحثہ تک محدود نہیں رہا، بلکہ معاملہ اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہے اور وہ یہ کہ اب ہر شخص مجتہد ہونے کا دعویدار ہے۔اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ ''دیکھو! فلاں نے اجتہاد کا دروازہ بند کردیا......!!''

''کیا آپ لوگوں کی عقلوں پر پابندی لگانا چاہتے ہیں......!!''

تو ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں اور بعض ہم عصر مصنّفین بھی ہمارے ہم نوا ہیں، کہ اجتہاد کا دروازہ کھولا نہیں گیا بلکہ اسے بالکل توڑ دیا گیا ہے۔اس کے کواڑ ہر ایک کے لئے کھول دیے گئے ہیں اور ہر شخص اس میں داخل ہونے کے لئے آزاد ہے،خواہ وہ اجتہاد کا اہل ہو یا نہ ہو۔ درحقیقت ایسے لوگ اجتہاد کے دعویدار بن بیٹھے ہیں جنہیں سوائے اس کے نام کے کچھ معلوم نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان کا اجتہاد درست ہوگا تو دوہرے اجر کے مستحق ہوں گے، اگر غلط ہوگا تو ایک اجر کے مستحق ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ اس حدیث کے اصل مفہوم سے واقف نہیں ہیں۔ دراصل یہی لوگ حدیث «من كذب علی متعمدًا» کے صحیح مصداق ہیں۔

مقامِ افسوس ہے کہ ہر شخص اجتہاد کا مدعی ہے ،جبکہ اجتہاد تو دور کی بات، علما نے تو فتویٰ دینے کے لئے بھی شرائط مقرر کی ہیں۔ چنانچہ وہ شرائط ملاحظہ فرمایئے جن کا ایک مفتی میں پایا جانا ضروری ہے :

① اسلام: کافر اور مرتد کو یہ حق نہیں کہ وہ شرعی مسائل میں گفتگو کرے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہوجائے یا ارتداد سے توبہ کرلے، پھر تعلیم حاصل کرے یہاں تک کہ وہ علم کے اس مرتبہ پر پہنچ

© rasailojaraid.com

جائے جو اسے افتا جیسے منصبِ جلیل کا اہل ثابت کر سکے۔

② مکلّف ہونا: وہ شخص جو تکلیف شرعی کی عمر کو نہ پہنچا ہو، وہ فتویٰ نہیں دے سکتا۔

③ عدالت: فاسق انسان خواہ اس کا فسق قولی ہو یا فعلی ہو یا اعتقادی؛ ایسے شخص کے فتویٰ کو قبول کیا جائے گا، نہ اس کی بات سنی جائے گی۔

یہ تین شرائط: مسلمان ہونا، مکلّف ہونا، عادل ہونا تمام علما کے نزدیک متفقہ ہیں اور علما کا اس بات پر اجماع ہے کہ مفتی اور شرعی مسائل میں بات چیت کرنے والے میں ان شروط کا پایا جانا ضروری ہے۔ان کے علاوہ چند شروط اور ہیں جن میں علما کا اختلاف ہے:

مفتی کی بات کو صرف اس صورت میں قبول کیا جائے گا، جب وہ مجتہد ہو۔مجتہد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کتاب وسنت کی نصوص کا کامل علم رکھتا ہو، علومِ لسانی پر عبور رکھتا ہو، اس کی اُصولِ فقہ پر نظر ہو، مسائل اجماعیہ سے واقفیت رکھتا ہو، تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی قول اجماع کے خلاف ہو اور اسے معلوم ہی نہ ہو۔مزید برآں تاریخ، فقہ، ائمہ ومجتہدین کے اختلافات اور ان کے مسلک و دلائل سے بھی آگاہ ہو، تاکہ وہ ائمہ وعلما کے اختلافات کی گتھیاں سلجھا کر اس میں سے راجح اور مرجوح کا امتیاز کر سکے۔

بعض نے یہاں ایک اور شرط کا اضافہ کیا ہے کہ مفتی فطرتِ سلیمہ کا حامل اور غیر معمولی ذہنی سلجھاؤ رکھتا ہو اور اس لائق ہو کہ زیر بحث مسئلہ پر تمام سمتوں سے غور وفکر کر سکے جو اس مسئلہ کو سلجھانے میں مدو معاون ہو سکیں۔مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک خاص ذہنی معیار کا مالک ہو۔اصابتِ رائے اور پوری ثقاہت کے بغیر اس کے لئے اس وادئ پرخار میں قدم رکھنا خطرہ سے خالی نہیں۔امام جوینیؒ اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں کہ

''مفتی کیلئے ضروری ہے کہ وہ فطری لحاظ سے فقیہ ہو۔یعنی وہ بہت بیدار مغز، نہایت متنبہ اور اعلیٰ درجہ کا ذہین انسان ہو۔حالاتِ حاضرہ پر اس کی گہری نظر ہو، لوگوں کے حیلوں اور ان کی مکاریوں کو خوب جانتا ہو اور نہایت احسن طریقے سے حق تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔''

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ ان شرائط کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب تک کسی میں درج ذیل پانچ اوصاف نہ ہوں، وہ مفتی بننے کا اہل نہیں ہوسکتا:

www.KitaboSunnat.com

① وہ شخص خالص نیت کا حامل ہو۔ جس شخص کی نیت خالص نہ ہوگی، نہ اسے خود نورانیت حاصل ہوگی اور نہ اس کے کلام میں نورانیت ہوگی۔

② دوسری شرط یہ کہ وہ شخص حلم و بردباری اور وقار و شائستگی جیسی صفات سے آراستہ ہو اور پورے دینی ڈھانچہ پر اس کی تفصیلی نظر ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مفتی کو ایسے بلند اخلاق سے متصف ہونا چاہیے جو اسے لوگوں کی نظروں میں قدوۃ اور نمونہ بنا دیں۔ وہ لوگوں کے ہاں ثقاہت کا معیار بن جائے کہ وہ شریعت کے معانی کی جو تعبیر و تشریح کرے، لوگ بلا جھجک اسے قبول کرلیں۔

③ تیسری شرط یہ کہ جو علمی ڈھانچہ اس کے پاس ہے، اس پر اس کی گرفت مضبوط ہو۔ مطلوبہ مسائل شرعیہ پر اسے مکمل عبور اور قدرت حاصل ہو۔ اسے یہ معلوم ہو کہ ہمارا دین کیا ہے، اس کی عبادات کس ڈھب کی ہیں، عقائد کیا ہیں اور اخلاق و معاشرت کی کیا نوعیت ہے۔

④ کفایت شعاری مفتی کا نمایاں وصف ہونا چاہئے کہ جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے، اس سے وہ اپنے آپ کو بالکل مستغنی اور بے نیاز کرلے، وگرنہ وہ لوگوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کے رہ جائے گا۔

⑤ مفتی کیلئے پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ زمانے کے حالات اور لوگوں کی طبائع سے خوب واقف ہو تاکہ ان کے حیلوں اور مکاریوں کو سمجھ سکے۔ سچے اور جھوٹے میں تمیز کرسکے اور کسی کی تیز طراری اور مکر و فریب سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہوجائے۔ (أعلام الموقعین: ۱۹۹/۴)

ان شرائط کی اہمیت کے پیش نظر ائمہ کرام خود بھی حتیٰ الوسع فتویٰ دینے سے اجتناب کرتے اور دوسروں کو بھی بغیر علم کے فتویٰ دینے سے منع کرتے۔ امام ابن قیمؒ اپنی کتاب أعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ

> ''ہمارے شیخ (علامہ ابن تیمیہؒ) ان لوگوں سے شدید نفرت کا اظہار کرتے تھے جو بغیر علم کے فتویٰ دینے اور شرعی علوم میں زبان کھولنے کی جسارت کرتے۔ لوگ اُنہیں کہا کرتے کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان مفتیوں کی نگرانی کی ذمہ داری سونپی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''جب روٹیاں پکانے والے باورچی پر داروغہ مقرر ہے تو جاہل مفتیوں کو کیوں آزاد چھوڑ دیا جائے۔''

© rasaaljaraid.com

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ابن تیمیہؒ کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ وہ عاصی اور فاسق کو بھی اجتہاد کا اہل قرار دیتے ہیں، جبکہ ابن تیمیہؒ نے ایسے لوگوں کو خوب ہدفِ تنقید ٹھہرایا ہے اور انہیں فتویٰ دینے سے منع کیا جو فتویٰ دینے کے اہل نہ ہونے کے باوجود فتویٰ بازی کرتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ عام آدمی کو اجتہاد کا مجاز قرار دیں۔''

(أعلام الموقعين:۲۱۷/۴)

اگر آپ ایسے لوگوں سے احتجاج کریں کہ بھئی آپ لوگ منصبِ افتا پر فائز ہونے کے اہل نہیں ہیں تو ان کا جواب یہ ہوگا کہ ''کیا رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان صحیح نہیں ہے کہ جب حاکم اجتہاد کرے، پھر اس کا اجتہاد درست ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر غلط ہو تو اس کو ایک اجر ملے گا۔ (صحیح بخاری:۱۵۷/۸ و مسلم؛۱۳۴۲) لہٰذا میں دو یا کم از کم ایک اجر سے اپنے کو محروم نہیں کرنا چاہتا۔ پھر آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ کیوں مجھ پر اعتراض کرتے ہیں اور مجھے اپنے علم کے مطابق مسائل شرعیہ میں بات کرنے اور فتویٰ دینے سے کیوں روکتے ہیں؟''

لیکن درحقیقت مذکورہ بالا حدیث کا مصداق وہ شخص ہے جو درج ذیل دو شرائط کا حامل ہو:

① پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شخص عملی طور پر اجتہاد کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اس کے لئے ضروری اہلیت کا معیار یہ ہے کہ وہ بے پایاں اور غیر معمولی علم کا حامل شخص ہو۔ اس کی معلومات کا دائرہ انتہائی حد تک وسیع ہو۔

② دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شخص پیش آمدہ مسئلہ کے اجتہاد میں اپنی پوری صلاحیت صرف کردے۔ اس شخص کا مشہور ومعروف ہونا کافی نہ ہوگا، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس مسئلہ کے بارے میں تمام فقہا کی آرا کو پیش نگاہ رکھے اور مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غوروفکر کرے۔ اگر کسی سے بحث مباحثہ اور پوچھنے کی ضرورت پڑ جائے تو کسی طرح کا عار محسوس نہ کرے، حتیٰ کہ حق اس کے سامنے واضح ہوجائے۔ اس کے بعد فتویٰ دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس صورت میں وہ مذکورہ حدیث کا صحیح مصداق اور اجر کا مستحق ہوگا۔ لیکن اگر مذکورہ شرائط اس میں نہیں تو ایسا شخص گناہگار ہوگا خواہ اس کا فتویٰ درست ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس کا درستگی کو پالینا ایک اتفاقیہ امر تصور ہوگا، اس لئے وہ دونوں حالتوں میں گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اس کی دلیل پیغمبر ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ «من قال في القرآن برأيه فقد أخطأ»

© rasailojaraid.com

''جس نے قرآن مجید کے متعلق اپنی رائے سے کوئی بات کہی تو یقیناً اس نے بہت برا کیا۔''

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو زیر بحث موضوع کی زبردست دلیل ہے۔ اگر صحیح نہیں بھی تو پھر سنن ابن ماجہ کی ایک صحیح حدیث ہے، امام احمدؒ اور دیگر نے بھی اسے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «من أفتى بفتيا غير ثبت فإنما إثمه علىٰ من أفتاه»

''جس کو غلط فتویٰ دیا گیا تو گناہ اس پر نہیں بلکہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔''

کیونکہ یہ مفتی بغیر علم اور دلیل شرعی کے بات کر رہا ہے۔ اس لئے اس کا اپنا گناہ بھی اپنے سر ہوگا اور جس کو وہ گمراہی کی طرف دھکیل رہا ہے، اس کا گناہ بھی اسی کے سر ہوگا۔

چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ ﴾ (الانعام:۱۴۴)

''پھر اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی طرف منسوب کرکے جھوٹی بات کہے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کی غلط راہنمائی کرے۔ یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہِ راست نہیں دکھاتا۔''

تو معلوم ہوا کہ بغیر علم کے دینی معاملات میں طبع آزمائی کرنے والا اللہ کے ہاں سب سے بڑا ظالم ہے۔ اپنی ذات پر بھی ظلم ڈھا رہا ہے اور پوری اُمت اور معاشرے کو بھی تختۂ ستم بنا رہا ہے اور روزِ قیامت یہ شخص سب کا بار اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لِيَحْمِلُوْا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴾ (النحل:۲۵)

''(ان کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوگا) کہ قیامت کے دن پورا پورا اپنے گناہوں کا بوجھ اُٹھائیں گے اور اُن لوگوں کا بوجھ بھی جنہیں (اس قسم کے فتوے دے کر) یہ بغیر علم وروشنی کے گمراہ کرتے رہے، تو دیکھو، کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ اپنے اوپر لادے چلے جارہے ہیں۔''

امام ابن قیمؒ اپنی کتاب أعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:

''جو شخص اہل نہ ہونے کے باوجود مفتی بن بیٹھے، وہ گناہگار اور نافرمان ہے اور جو حکمران ایسے شخص کو منصبِ افتا پر فائز کرتا ہے، وہ بھی گناہ میں برابر کا شریک ہے۔'' (۴/۲۱۷)

امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

''حکمرانوں کو چاہئے کہ وہ نااہل مفتیوں کو منصبِ افتا سے ہٹا دیں، جیسا کہ بنواُمیہ کے حکمرانوں نے کیا۔ ایسے مفتیوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے خود تو راستے کا علم نہیں، لیکن دوسروں کو بتلاتا ہے کہ تمہیں اس راستہ پر جانا ہے یا اس اندھے کی سی ہے جو نمازیوں کو قبلہ بتلانے بیٹھ جائے یا اس اناڑی کی جو طب کے حروفِ ابجد سے بھی واقف نہیں، لیکن مطب کھول کر بیٹھ جائے، بلکہ یہ شخص تو ان سب سے بدتر ہے۔ جب ایک حکمران جاہل اور نیم حکیم کو مطب کھولنے سے روکنا ضروری سمجھتا ہے تو کیا یہ ضروری نہیں کہ وہ ان جاہلوں کو فتویٰ بازی سے روکے جو قرآن وسنت کے علم سے مطلقاً بے بہرہ ہیں۔'' (ایضاً)

فقہاء حنفیہ نے ایسے مفتی کو المفتي الماجن (بے شرم، کم سواد) مفتی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

''ایسے کم سواد، بے شرم اور نااہل مفتی پر پابندی عائد ہونی چاہئے۔ پوچھا گیا: کیوں؟ تو فرمایا: اس لئے کہ وہ فتویٰ کے ساتھ مذاق کرتا ہے، یعنی وہ نااہل ہونے کے باوجود فتویٰ دیتا ہے۔''

اللہ اُمتِ مسلمہ کو ایسے مفتیوں کی شر سے محفوظ رکھے جنہوں نے فتویٰ دینے کے لئے آستینیں چڑھا رکھی ہیں۔ ان کی مثال ایسے بھیڑیوں کی ہے جنہوں نے بھیڑ کی کھال پہن رکھی ہو۔ یہ لوگ اللہ کی ترجمانی اپنی خواہشاتِ نفس کے تحت کرکے اللہ پر بہتان قائم کرتے ہیں۔

البتہ بمقتضائے حال اگر کوئی طالبِ علم کسی خاص مسئلہ کے بارے میں تحقیق کرتا ہے یا کوئی اور آدمی کتب سے استفادہ کرکے کسی مسئلہ کے بارے تحقیق کرتا ہے اور اس مسئلہ کے متعلق ائمہ کے اقوال اور دلائل کی چھان بین کرکے کسی نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ اجتہاد بقولِ اہل علم کے جزوی بھی ہوسکتا ہے، یعنی ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی کو ایک خاص مسئلہ پر استیعاب وعبور حاصل ہو تو اسے اس مسئلہ پر اجتہاد کرنے کا مجاز قرار دیا جاسکتا ہے...... لیکن یہ اور طرز کا اجتہاد ہے۔

③ دین کے بعض مسائل کو معمولی سمجھ کر ان میں بحث وتحقیق کا جواز نکالنا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین کے بعض مسائل بہت آسان ہیں، اس لئے ان مسائل میں گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی صورت یوں سمجھئے کہ بعض لوگ جو یا تو عامی قسم

© rasaileJaraid.com

کے ہوتے ہیں یا کالجوں کے تعلیم یافتہ اور آج کے جدید مفکرین جن کی دینی معلومات اس قدر نہیں ہوتیں کہ وہ شرعی مسائل میں بات کرنے کے قابل ہوسکیں، وہ بیٹھ جاتے ہیں اور کسی خاص مسئلہ کے بارے میں طبع آزمائی شروع کردیتے ہیں ۔ پھر معاملہ محض بحث مباحثہ تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ ایک نتیجہ اور معین حل تک پہنچنے کی ناکام سعی کرتے ہیں اور آخر میں کہتے کیا ہیں؟ کہ ''لو یہ کون سا مشکل مسئلہ تھا ؟اس میں تو زیادہ تکلف کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

ذرا فقہ و حدیث کے جلیل القدر عالم امام مالکؒ کی طرف دیکھئے۔ ان سے ایک مرتبہ مسئلہ پوچھا گیا تو فرمایا: میں نہیں جانتا۔ اس پر پوچھنے والے نے کہا کہ یہ تو معمولی مسئلہ ہے۔ امام مالکؒ کا یہ سننا تھا کہ چہرہ غصہ سے لال ہوگیا اور اس آدمی کو مخاطب کرکے فرمایا:

''سنو !علم دین کو کبھی معمولی اور ہلکا نہ سمجھنا۔ کیا اللہ کا یہ فرمان نہیں ہے: ﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلاً ثَقِيلاً﴾ (المزمل:۵) ''ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔''

(أعلام الموقعين:۴/۲۱۸)

ثابت یہ ہوا کہ حلال و حرام کے مسائل معمولی نہیں ہیں۔ پس کوئی بھی آدمی شرعی مسائل میں زبان کھولنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لے کہ وہ ایک شرعی مسئلہ کا فیصلہ کررہا ہے۔ وہ گویا اللہ اور اسکے رسول کا ترجمان ہے۔ ربّ العالمین کی طرف سے فتویٰ پر مہر ثبت کررہا ہے۔ وہ اپنی جیبِ خاص سے کوئی چیز نہیں دے رہا کہ اس میں اپنی مرضی سے تصرف کرلے۔ اسلئے اس معمولی سی غفلت اور تساہل پسندی بھی اس کیلئے انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ (جاری ہے)

خریداران محدث توجہ فرمائیں آخری یاد دھانی

محدث کے خریداران کو بذریعہ پوسٹ کارڈ زرِسالانہ ختم ہونے کی اطلاع دی گئی۔ شمارہ جنوری ۲۰۰۵ء ص ۵۴ پر ضروری اعلان شائع کرکے یاددہانی بھی کروائی گئی، اس کے باوجود بعض خریداروں نے زرِسالانہ جمع نہیں کروایا۔ ایک بار پھر توجہ دلائی جاتی ہے کہ جن خریداروں نے دسمبر ۲۰۰۳ء تک زرِسالانہ جمع نہیں کروایا، ان کے لفافوں پر چسپاں شدہ ایڈریس میں ان کے خریداری نمبر پر سرخ نشان لگایا گیا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اگر اُنہوں نے اب بھی زرِسالانہ جمع نہ کروایا تو مئی ۲۰۰۵ء سے انکے نام محدث کی ترسیل بند کردی جائے گی۔ مینیجر